© rasailojaraid.com

حُجّیّتِ حدیث

از: عبدالحمید صدیقی

قرآن مجید اگر شریعتِ اسلامی کی رُوح ہے تو حدیث اس کا جسم۔ حدیث ہی سے انفرادی اور اجتماعی زندگی کا وہ نقشہ اُبھر کر سامنے آتا ہے جس کا اسلام علمبردار ہے۔ اگر قرآن مجید کے ساتھ حدیث محفوظ نہ ہوتی تو ہمارے لیے منشائے ربانی کے عملی مضمرات جاننا بالکل ناممکن تھا۔

باری تعالیٰ اپنے پیغام کو انسانوں تک پہنچانے کے لیے انبیاء علیہم السّلام کو جو ذریعہ بناتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ ان مقدس حضرات کی مقدس زندگیوں میں پیغامِ ربانی کا عکس اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں اور اس حقیقت کو جان سکیں کہ منشائے الٰہی کو پورا کرنے کی عملی صورت کیا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ۔ (التوبہ: ۳۳)

اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اُسے پورے جنسِ دین پر غالب کر دے۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہدایتِ الٰہی کا سرچشمہ باری تعالیٰ کا رسول ہے اور یہی وہ سب سے زیادہ مستند اور قابلِ اعتماد ذریعہ ہے جس سے ہمیں صحیح علم اور رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ سورۃ مریم میں مذکور ہے:

یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِیْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا۔ (مریم: ۴۳)

ابّا جان! درحقیقت میرے پاس وہ حقیقی علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا۔ آپ میری پیروی کریں میں آپ کو سیدھی راہ پر چلاؤں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا یہ ارشاد اس حقیقت کی واضح ترجمانی کرتا ہے کہ ہدایتِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ پیغمبر ہی کی ذات ہے۔ اسی کی وساطت سے تعلیماتِ الٰہی ہم تک پہنچتی ہیں اور پھر اس کی حیاتِ طیبہ ان تعلیمات کا مظہر بنتی ہے اور اُس کی پیروی سے ہی منشائے الٰہی کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ یہاں بڑے واضح الفاظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں یہ بتایا گیا ہے کہ محض "العلم" کا حاصل ہو جانا کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کی پیروی کر کے اس علمِ ربانی کے مطابق زندگی بسر کی جائے حقیقت کو پانے اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی صرف یہی ایک صورت ہے رسول کو چونکہ باری تعالیٰ اپنے منشا کا ترجمان بناتا ہے اس لیے اس کی اطاعت درحقیقت خداوند قدوس کی اطاعت ہی ہوتی ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (النساء۔ ۸۰) جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

قرآن مجید میں ایک جگہ نہیں بلکہ متعدد مقامات پر اس امر کی تصریح ہے کہ نبی کی پیروی ہی واحد ذریعہ نجات ہے۔ مثلاً سورۂ نور میں یہ ارشاد ہے وان تطیعوا تھتدوا (یعنی اگر تم رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے پھر سورۂ حشر میں مذکور ہے:

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔

رسولؐ جو تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ اور اس بارے میں اللہ کی پکڑ سے ڈرو۔ اللہ کا عذاب سخت ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جہاں ایک طرف رسولؐ کی پیروی ذریعہ نجات ہے تو دوسری طرف رسول کی نافرمانی سے انسان ضلالت و گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے۔

مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔ (الاحزاب۔ ۳۶)

اور جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے وہ بڑی کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

اسی سلسلے میں قرآن مجید نے اس امر کی بھی صراحت کر دی ہے کہ اسلام میں اللہ کی محبت کا مطلب وہ نہیں جو کہ دنیا کی بعض مذہب پرست قوموں میں پایا جاتا ہے کہ انسان کسی مافوق الفطرت ہستی کی محبت میں گم ہو کر اپنی انسانی ذمہ داریوں کو یکسر فراموش کر دے۔ اسلام نے اللہ کی محبت کے طلبگار کو یہ بتایا ہے کہ وہ ذاتِ مطلق اگر اسے فی الحقیقت محبوب ہے اور وہ اس کی رضا جوئی کے لیے دل سے خواہشمند ہے تو اس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ اس بزرگ و برتر ذات کی صدق دل کے ساتھ اطاعت و پیروی کرے جو اس کی طرف سے انسانوں کو خدا کی محبت کی راہ دکھانے اور پھر خود اس راہ پر چل کر اس کی عملی صورت سمجھانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (آلِ عمران - ۳۱) کہیے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کی خود پوری طرح نگرانی کر کے اس انداز پر اُسے ڈھالا ہے کہ وہ ایمان باللہ، محبت اور خوفِ الٰہی، نیکی اور پرہیزگاری، شرافت اور امانت، حکومت اور سیاست الغرض زندگی کے ہر معاملے میں ایک کامل و اکمل نمونے کے طور پر پیش کی گئی ہے۔ باری تعالیٰ نے حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کو مسلمانوں کے لیے بطورِ مثال پیش کیا ہے اور اس امر کی تاکید کی ہے کہ زندگی کے جس معاملے میں انہیں رضائے الٰہی کے عملی تقاضوں کو دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہو اور یہ معلوم کرنا مقصود ہو کہ اللہ پر ایمان کس پاکیزہ زندگی کا طالب ہے تو انہیں حضور سرورِ کائنات کی مقدس زندگی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ (الاحزاب - ۲۱) تحقیق تمہارے پاس اللہ کے رسول (کی زندگی میں) اسوۂ حسنہ ہے، اس کے لیے جو ڈرتا ہو اللہ اور روزِ آخرت سے۔

حضور سرورِ کائنات کی زندگی صرف ایک پہلو ہی میں نمونہ نہیں بلکہ ہر لحاظ سے نمونہ ہے۔ انسان اور خدا کے ساتھ تعلقات ہیں، انسان اور انسان کے ساتھ تعلقات ہیں اور انسان اور کائنات کے ساتھ تعلقات ہیں حضورؐ کی حیاتِ طیبہ ہی حق اور صداقت کا واحد معیار ہے۔ اس ایک معیار کے سوا باری تعالیٰ کو کوئی دوسرا معیار قبول نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کو ہمارے لیے اس بنا پر بھی اسوہ بنایا گیا ہے کہ اللہ کا نبی جو کچھ کہتا ہے یا جو کچھ کرتا ہے وہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہی ہوتا ہے اُس کی زبان فیض ترجمان حق تعالیٰ کے ارشادات کی شارح ہوتی ہے اور اس کا عمل آیاتِ الٰہی کی، اُسی کے حکم کے مطابق عملی تفسیر ہوتا ہے۔

مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ اور وہ نہیں بولتا اپنی خواہش سے مگر وہی کچھ جو کہ وحی بھیجی جاتی ہے اس پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا مصداق صرف قرآن مجید ہے وہ غلطی پر ہیں۔ اس آیت کے سیاق وسباق پر غور کرنے سے تو اس حقیقت کا واضح پتہ چلتا ہے کہ وحی کے ذریعہ صرف قرآن مجید ہی نہیں اتارا گیا بلکہ دوسرے احکام بھی حضور سرورِ دوعالم کو وحی کے ذریعے حاصل ہوئے ہیں اور دوسرے معاملات میں بھی باری تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ اپنے رسول کی رہنمائی فرمائی ہے۔ فرشتے کے نزول کے بیان کے بعد قرآن مجید نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر جو کچھ دیکھا اور سنا وہ سراسر حق تھا اور اس کا دل ایک ایک بات کی تصدیق کر رہا تھا۔ اُسے کوئی اشتباہ نہیں تھا۔ فَاَوْحٰىٓ اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى سے اس بات کا صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ اس موقع پر حضور سرورِ کائنات کو وحی کے ذریعے بعض باتوں کا علم ہوا جن کی تفصیل قرآن مجید سے نہیں بلکہ احادیث نبوی ہی سے ملتی ہے۔ اس آیت سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ نبی کا کلام دین میں حجت ہے کیونکہ وہ کوئی بات بھی خواہش سے نہیں کہتا بلکہ وحی الٰہی کے تحت کہتا ہے۔ اس بنا پر قرآن مجید نے مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۔ (النور-۶۳)

تم لوگ رسول کے بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بلا لیتا ہے۔

اور ایک دوسرے مقام پر حکم دیا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۔ (الحجرات: ۲،۱)

اے ایمان والو تم اللہ اور اُس کے رسول سے کسی کام میں سبقت مت کیا کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو پیغمبر کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ اُن سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں کھل کر بولا کرتے ہو۔ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں۔

مسلمانوں کو پہلی بات یہ ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول یا فعل میں حیاتِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ کرنا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سب سے زیادہ صحیح، مستند بات وہی ہے جو حضور کی طرف سے منقول ہو کیونکہ حضورؐ وحی الٰہی کے ترجمان ہیں۔ اس لیے سب سے پہلے یہ دیکھو کہ اللہ کے رسول کسی معاملے میں کیا رائے رکھتے ہیں اور اس کے بعد اُس کے مطابق عمل کرو۔ اپنی بات کو اُن کے مقابلے میں بالا کرنے کی کوشش نہ کرو۔

امام ابن قیمؒ نے ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ "اگر محض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اپنی آواز بالا کرنے سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں تو اُن لوگوں کے اعمال کا ضیاع یقینی ہے جو اپنی فکر بینی فہم و تدبّر اور اپنی آراء کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور اعمال پر فوقیت دیتے ہیںؔ"۔ فوقیت صرف یہی نہیں کہ آدمی زبان سے یہ کہے کہ اُس کی رائے حضورؐ کی رائے سے بالاتر ہے بلکہ فوقیت یہ ہے کہ حضورؐ کے اقوال و افعال کو نظر انداز کر کے کوئی طرزِ فکر اور طرزِ عمل اختیار کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے بے نیازی کسی مومن کی شان نہیں بلکہ کافرانہ جسارت ہے۔

ظاہر بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے بارے میں یہ تنبیہات صرف قرآن مجید کے معاملے تک محدود نہیں کہ جب حضور سرورِ دوعالم قرآن مجید کے الفاظ زبان مبارک سے ادا کر رہے ہوں تو تم ان باتوں کا خاص خیال رکھو۔ یہ تنبیہات حضور کے ہر فعل اور ہر لفظ کے بارے میں ہیں۔ حضورؐ کی کسی امر کے بارے میں صراحت سے پہلے اپنی طرف سے کسی مومن کو پیش قدمی نہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ منشائے خداوندی کو حضورؐ کی وساطت کے بغیر نہیں جانا جا سکتا۔ اسی طرح صوت النبی میں حضور سرورِ دوعالم کے حلق سے نکلی ہوئی ہر آواز شامل ہے خواہ وہ قرآن کے الفاظ ہوں یا حضور سرورِ کائنات کے اپنے ارشادات کیونکہ حضورؐ کی ہر بات اور اُن کا ہر عمل خداوند تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہی ہوتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ (الاعراف ۲۰۳)

آپ کہہ دیجیے کہ میں تو بس اُسی کی پیروی کرتا ہوں جو کچھ میرے اوپر میرے پروردگار کی طرف سے وحی ہوا ہے اور یہ (خود بہت سی) دلیلیں ہیں تمہارے پروردگار کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔

ؔ اعلام الموقعین، جلد اول ص ۵۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کی پوری زندگی وحیِ الٰہی کے مطابق بسر ہوئی اور حضورؐ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں جو کچھ ارشاد فرمایا یا کیا وہ سب وحیِ الٰہی کے اشارے پر تھا۔ کیا کوئی صاحبِ عقل اس بات کو باور کر سکتا ہے کہ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری سرگرمیاں صرف قرآن مجید سنانے اور اس کے اندر مندرج احکام کی پیروی کرنے میں بسر کیں۔ خود کلامِ الٰہی میں بعض ایسی تصریحات موجود ہیں جن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ بعض احکام صرف حضور سرورِ کائنات نے دیئے جن کا ذکر قرآن مجید میں موجود نہیں۔ میں یہاں صرف دو امور کا ذکر کرتا ہوں سورۂ توبہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کی نماز جنازہ پڑھانے سے منع فرمایا گیا ہے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا ۔۔۔ اور ان میں سے جو کوئی مر جائے اُس پر کبھی بھی نماز جنازہ نہ پڑھیے۔ (توبہ ۸۴)

اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت کے نزول سے پہلے نماز جنازہ شروع ہو چکی تھی اور مسلم معاشرے سے تعلق رکھنے والے جو لوگ فوت ہو جاتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نماز جنازہ پڑھایا کرتے تھے، حالانکہ قرآن میں نازل ہونے والی کوئی آیت ایسی نہیں بتلائی جا سکتی جس میں حضور اور مسلمانوں کو نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز جنازہ حضورؐ کے حکم سے شروع ہوئی۔

اسی طرح سورۂ جمعہ کی آیت وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا (۲) میں ایک حکایت اور شکایت کے ضمن میں جمعہ کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز جمعہ حضورؐ کے حکم کے مطابق اس آیت کے نزول سے پہلے ہی شروع ہو چکی تھی اور مسلمان اسے حضور کے حکم ہی سے ادا کر رہے تھے۔ یہاں نماز جمعہ کے آغاز کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ ایک شرعی حکم اور دینی عمل جو حضورؐ کے فرمان سے شروع ہو چکا ہے اُس کے بارے میں بعض افراد کے طرزِ عمل پر گرفت فرمائی۔ قرآن مجید سے اس قسم کی ایک نہیں بلکہ متعدد مثالیں ایسی پیش کی جا سکتی ہیں جن سے اس بات کا صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ کے احکام اور آپ کے اعمال ہی سے شریعت کا نظام تشکیل پا رہا تھا اور لوگ ان احکام و اعمال کو دین میں اُسی طرح حجت مانتے تھے جس طرح کہ احکام ربانی کو، بلکہ احکام ربانی کو صحیح طور پر سمجھنے اور انہیں ٹھیک انداز سے بجا لانے کے لیے وہ حضور سرورِ دو عالم کی طرف رجوع کرتے تاکہ وہ انہیں ان احکام کی صحیح نوعیت اور صورت بتائیں۔ مثلاً قرآن مجید میں اقامتِ صلوٰۃ کا تاکیدی حکم نازل ہوا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے ارکان اور بعض اجزائے ترکیبی مثلاً قیام، رکوع، سجود، قرأت وغیرہ کا ذکر بھی کتاب الٰہی میں موجود ہے مگر ان اجزاء کو کسی خاص ترتیب کے ساتھ ادا کرنے کا بیان اور نماز کی پوری ترکیب اس میں مذکور نہیں۔ صرف اقیموا الصلوٰۃ سے تو کوئی واضح چیز سامنے نہیں آتی۔ اگر اسے محض لغت کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو معاملہ پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ اَلصَّلی کے اصل معنی آگ جلانے کے ہیں۔ چنانچہ صَلِیَ بالنّار کے معنی ہیں اُس نے آگ کی تکلیف برداشت کی یا وہ آگ میں جلا۔ پھر اس کے معنی دعا دینے کے بھی ہیں۔ عربی کا محاورہ ہے صَلَّیْتُ عَلَیہ، امام رازی نے اس کے معنی کیے ہیں ای دعوتُ لہ، یعنی میں نے اس کے لیے دعا کی۔ پھر قرآن میں فرشتوں کے متعلق مذکور ہے کہ وہ اللہ کے رسولؐ پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں۔ صلوٰۃ کے ان مختلف لغوی معنوں کو اگر نگاہ میں رکھ کر اسلام کے اس سب سے اہم فرض کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو کوئی بات بھی واضح نہیں ہوتی۔ احادیث نبوی کو اگر درمیان سے نکال دیا جائے تو ایک شخص بجا طور پر دعویٰ کر سکتا ہے کہ اگر وہ آگ تاپ لے تو اس فریضہ سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔ دوسرا شخص محض زبان سے چند دعائیہ کلمات ادا کر کے اقامتِ صلوٰۃ کے فرض سے سبکدوش ہونے کا دعویدار ہو سکتا ہے۔ نماز کی جو صورت اس وقت موجود ہے اور جس پر تواتر کے ساتھ ساڑھے تیرہ سو سال سے کروڑوں مسلمان عمل پیرا ہیں وہ حضورؐ کی وساطت ہی سے ہم تک پہنچی ہے۔ حضور سرورِ دو عالمؐ نے اقامت الصلوٰۃ کے فرض کی خود نماز قائم کر کے صراحت فرمائی اور حکم دیا: صَلُّوا کَمَا رَأَیْتُمُونِی اُصَلِّی۔ یعنی تم جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو، اسی طرح نماز پڑھو۔ اور امت نے حضور سرورِ دو عالمؐ کے عمل ہی سے نماز کی صحیح ترتیب اور اس کے اجزاء کی ترکیب معلوم کی۔ اگر حضورؐ اس معاملے میں ہماری رہنمائی نہ فرماتے تو ہمارے سامنے صلوٰۃ کی کوئی واضح اور متعین صورت سامنے نہ آتی اور ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق لفظ صلوٰۃ کی تشریح کر کے عمل کرتا چلا جاتا۔ چنانچہ جن لوگوں نے احادیث نبوی سے بے نیاز ہو کر صرف قرآن سے نماز کی ترتیب اور اس کا طریقہ جاننے کی کوشش کی ہے وہ آج تک نماز کی کوئی ایسی ہیئت سامنے نہیں لا سکے جس پر سب کا اتفاق ہو۔ یہی حال حج، زکوٰۃ، صوم اور جہاد کا ہے۔ حج کے لغوی معنی کسی کے دیکھنے کا قصد کرنے کے ہیں۔ خود قرآن مجید میں حج کے بارے میں جو آیت نازل ہوئی ہے اس میں صرف حج البیت کا ذکر ہے جس سے اگر زیادہ سے زیادہ سمجھا جا سکتا ہے تو یہی کہ بیت اللہ کے قصد کا حکم دیا جا رہا ہے۔ لیکن اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے خاص ایام میں عرفہ میں جانا، خاص مدت تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قیام کرنا اور دوسرے مناسک، یہ سب باتیں ہمیں احادیث نبوی ہی سے ملتی ہیں حضورؐ نے یہ ساری باتیں اپنی شخصی اور ذاتی حیثیت سے تو نہیں فرمائیں بلکہ اُن سب کی وضاحت اُن کے فریضۂ نبوت میں شامل تھی۔ چنانچہ قرآن پاک نبیؐ کے فرائض کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔ (النحل-۴۴)

اور نازل کیا ہم نے آپ کے ہاں ذکر (کتاب) تاکہ آپ کھول کھول کر بیان کریں لوگوں کے واسطے اُس چیز کو جو نازل کی گئی اُن کی طرف اور تاکہ وہ غور وفکر کریں

یہ آیت اس امر کی توضیح کرتی ہے کہ رسول کا کام معاذ اللہ محض ہرکارے کا نہیں کہ وہ صرف کتاب الٰہی کو لوگوں تک پہنچا دے بلکہ اس عظیم کتاب کی تشریح بھی اُس کے فریضۂ نبوت میں داخل ہے اور رسول یہ کام باری تعالیٰ کے حکم کے مطابق اُسی کی رہنمائی میں سرانجام دیتا ہے۔ اسؔ تبیینؔ کی کئی صورتیں ہیں۔

(الف) باری تعالیٰ نے قرآن مجید میں جن امُور کو مجمل بیان کیا ہے رسُول ان کی صراحت فرمائیں۔

(ب) اپنے عمل سے اُن کی وضاحت کریں۔

(ج) جن امور میں اختلاف ہو اُن کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر فرما کر انہیں حتمی طور پر طے کر دیں۔

(د) صحیح اور غلط راستوں کی پوری طرح نشاندہی کر دیں تاکہ سلامتی کے راستے پر چلنے والے اپنے آپ کو گمراہی سے بالکل محفوظ رکھ سکیں۔

قرآن مجید میں لفظ تبیین کے یہ سارے مفہوم ملتے ہیں۔ مثلاً مخفی اور مضمر چیز کی وضاحت کے لیے قرآن مجید کی یہ آیات بطور دلیل پیش کی جا سکتی ہیں:

وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ (ابراہیم ۴۵)

اور تم پر ظاہر ہو چکا تھا کہ ہم نے ان لوگوں کے ساتھ کس طرح کا معاملہ کیا تھا۔

وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ۔ (الزخرف-۶۳)

نیز اس لیے کہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف کرتے ہو اُن کی وضاحت کر دوں۔

قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ-۲۵۶)

ہدایت صاف طور پر ظاہر اور گمراہی سے الگ ہو جائیگی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ چند آیات محض مثال کے طور پر درج کی گئی ہیں۔ قرآن مجید کی بے شمار آیات "تبیّن" کے ان مختلف پہلوؤں کی طرف نہایت واضح طور پر اشارہ کرتی ہیں۔

قرآن مجید کے مجمل احکام کی حضورؐ نے وضاحت فرمائی اور آںؐ کے ارشادات سے ہی ہمیں ان کے صحیح مفہوم کا علم ہو گا۔ مثلاً سُورۃ الانعام میں خداوند تعالیٰ نے مختلف اثمار کے باغات کا ذکر کرتے ہوئے صرف اتنا ہی ارشاد فرمایا:۔

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا — اور فصل کاٹنے کے دن اُن کا حق ادا کرو اور حد سے نہ
اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۔ (آیت ۱۴۲) — گزرو کہ اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

فصل کاٹنے کے دن ان کا حق ادا کرنے کے حکم سے تو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ باری تعالیٰ کا منشا کیا ہے اس ضمن میں اگر احکامِ رسول سامنے نہ ہوں تو ایک نہیں بلکہ کئی مطالب نکالے جا سکتے ہیں۔ مثلاً جن لوگوں نے ان پھلوں کی کاشت میں محنت مزدوری کی ہے، انہیں اجرت دو، یا ان میں سے زمین کے مالکان کو اُن کا حصہ دو۔ یا انہیں خوب سنبھال کر رکھو اور انہیں ضائع نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس موقع پر سنت ہی سے ہمیں یہ رہنمائی حاصل ہوتی ہے کہ یہاں پیداوارِ زمین سے زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا جا رہا ہے۔ پھر اس کی شرح بھی ہمیں احادیثِ نبوی ہی سے معلوم ہوتی ہے اور یہاں لفظ مُسرفین کے محل استعمال کا بھی صحیح پتہ کتبِ احادیث سے چلتا ہے۔

اسی "تبیّن" کے تحت اللہ تعالیٰ نے حضورؐ پر اس بات کی بھی ذمّہ داری عائد فرمائی ہے کہ وہ عمومی احکام کی صحیح نوعیت متعین کر کے ان کی مستثنیات بیان کر دیں۔ مثلاً قرآن مجید میں چور کی سزا یہ ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا — اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں
جَزَاۤءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ — کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ اُن کے کرتوتوں کے عوض اللہ تعالیٰ
حَكِيْمٌ ۔ (المائدہ۔ ۳۸) — کی طرف سے بطور عبرتناک سزا کے۔

السارق اور السارقہ کے جرم کا فیصلہ کرتے میں ہمیں کئی ایک دشواریاں پیش آتی ہیں۔ مثلاً اسلامی شریعت کی رُو سے چوری کی تعریف کیا ہے اور کیا ہر چور کے ہاتھ کاٹ دینے چاہئیں خواہ اس کے جُرم کی نوعیت کتنی ہی معمولی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیوں نہ ہو کیا جو شخص ذہنی طور پر مفلوج ہے اُس سے بھی اگر اس جُرم کا ارتکاب ہو جائے تو وہ بھی قطع ید کی سزا کا مستوجب ہے؟ اس امر کا فیصلہ کرنے کے لیے کہ کیا ایک شخص فی الواقع چور ہے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ یہ اور اسی قسم کے متعدد سوالات چوری کے سلسلے میں ذہن میں آتے ہیں جن کا قرآن مجید کوئی جواب نہیں دیتا۔ اس اجمال کی تفصیل ہمیں صرف سنتِ نبویؐ سے ملتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے کہ سرقہ کا اطلاق خیانت پر نہیں ہوتا بلکہ صرف اس فعل پر ہوتا ہے کہ آدمی کسی کے مال کو اس کی حفاظت سے نکال کر اپنے قبضے میں کرے۔ چنانچہ جو مال حفاظت میں نہیں اس کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا بھی نہیں دی جا سکتی۔ پھل، ترکاری، کھانے پینے کی چیزوں اور حقیر اشیاء کی چوری بھی اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ یہ سب تفصیلات ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوتی ہیں اور تبیینؐ کے ذیل میں آتی ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو کہ حضورؐ نے ان امُور کا فیصلہ اپنی ذاتی رائے سے فرمایا ہے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ باری تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس باطل خیال کی واضح طور پر تردید کی ہے:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ لِـتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰٮكَ اللّٰهُ ۔ (النساء ۔ ۱۰۵)	اے نبی! ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ اسی کے مطابق کریں جو اللہ نے آپ کو سجھا دیا ہے۔

یعنی اس کتاب کے ساتھ پیغمبر علیہ السّلام نے جو فیصلے فرمائے ہیں اُن کی نوعیت عام اجتہاد کی نہیں بلکہ احکامِ خداوندی کی ہے۔ کیونکہ ان سب میں قادرِ مطلق نے حضور سرورِ کائنات کی براہِ راست رہنمائی کی ہے۔ چنانچہ یہ سارے فیصلے بھی درحقیقت اسی ذاتِ برحق ہی کے ہیں جس نے قرآن نازل فرمایا ہے۔ ان فیصلوں سے انحراف ایک ایسا باغیانہ طرزِ عمل ہے جس سے ایمان اکارت ہو جاتا ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا يَجِدُوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيۡتَ وَيُسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا ۔ (النساء ۔ ۶۵)	اے محمدؐ! تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں بلکہ سرِ تسلیم خم کر دیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آیت سے صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ کے فیصلوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کر لینا ایمان کی بنیادی شرط ہے کیونکہ یہ محض کسی دانشور یا قاضی کے فیصلے نہیں جن سے اختلاف کیا جا سکتا ہو۔ یا ان کے خلاف اپیل کے دروازے کھلے ہوئے ہوں بلکہ ترجمانِ وحی کے فیصلے ہونے کی بنا پر یہ اسی طرح واجب الاطاعت ہیں جس طرح کہ خود باری تعالیٰ کے فیصلے۔ ان کے درمیان اگر فرق ہے تو یہی کہ کچھ فیصلے اُس نے خود اپنی زبان سے فرمائے ہیں اور بعض اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے صادر کروائے ہیں۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ۔ (الاحزاب۔ ۳۶)

کسی مومن مرد یا عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ جب اللہ اور اُس کا رسول کسی بات کا فیصلہ صادر کر دیں تو انہیں کوئی اختیار باقی رہے۔

یہاں اللہ اور رسول دونوں کے فیصلوں کو ساتھ ساتھ رکھا گیا ہے اور اس امر کی تاکید کی گئی ہے کہ ایک مومن کا کام ان دونوں کے فیصلوں کو خوش دلی کے ساتھ قبول کرنا ہے۔ قرآن مجید نے اپنے معجزانہ اندازِ بیان سے اُس غلط فہمی کا بھی ازالہ کر دیا ہے جو بعض ذہنوں میں پیدا ہو سکتی ہے کہ رسول کے فیصلوں سے مراد صرف اُن نزاعی امور کے فیصلے ہیں جو دو فریق حضورؐ کے پاس تصفیہ کے لیے لاتے تھے۔ مندرجۂ بالا آیت میں امر کو بطور نکرہ استعمال کر کے قرآن مجید نے اس بات کی صراحت کر دی ہے کہ حضورؐ کو صرف جھگڑے چکانے کے لیے ہی حَکَم مقرر نہیں کیا گیا بلکہ زندگی کے ہر معاملے میں حضور سرورِ دو عالمؐ کا ارشاد دین میں فیصلہ کن اہمیت رکھتا ہے اور اس سے پہلو تہی ایمان کو غارت کر دیتی ہے۔ حضورؐ کے یہ فیصلے صرف ایک شعبۂ زندگی یا متنازع فیہ معاملات تک ہی محدود نہیں بلکہ پُوری زندگی پر حاوی ہیں اور ان سب کو دل و جان سے تسلیم کرنے ہی سے ایمان کا بنیادی تقاضا پُورا ہوتا ہے۔ کتاب اللہ کی تعلیم و تفہیم، اُس کے مضمرات کی وضاحت اور پھر کلامِ الٰہی کے مطابق لوگوں کا تزکیۂ نفس یہ تینوں ہی کے مختلف گوشے ہیں۔ جس قادرِ مطلق نے انسانوں کی رہنمائی کے لیے قرآن نازل فرمایا اس نے اس بات کا بھی خاص طور پر اہتمام کیا کہ لوگ اس کی تلاوت کے صحیح انداز، اس کی گہری حکمتوں اور اس کی حیات آفریں تعلیمات کو بھی اُسی رسول کی زبان سے سُنیں اور سمجھیں جس کی وساطت سے نوعِ بشری کو اللہ تعالیٰ کا یہ بیش قیمت عطیہ ملا ہے۔ قادرِ مطلق اور لامحدود ذات کے کلام کو محدود فکر و نظر رکھنے والا انسان آخر اپنی معمولی سی عقل کے ساتھ کیونکر اچھی طرح سمجھ سکتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لیے باری تعالیٰ نے نوعِ انسانی پر رحم کرتے ہوئے اس بات کا التزام کیا کہ انسانوں میں اپنی حکمتِ بالغہ کے مطابق بعض مقدس ہستیوں کا انتخاب کیا جائے اور انہیں نبوت سے سرفراز فرما کر کلامِ الٰہی کی تعلیم کی ذمہ داری سونپی جائے۔ اگر محض عقلِ انسانی خود اپنے برتنے پر کلامِ ربانی کو سمجھنے پر قادر ہوتی تو پھر رسول کی ضرورت قطعاً پیش نہ آتی۔ کیا اُس بزرگ و برتر ذات کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اپنے کلام کے کروڑوں نسخے فرشتوں کی مدد سے نوعِ انسانی میں تقسیم کر دیتی یا پھر فضا کو اس بات پر مامور کر دیتی کہ وہ ہر وقت اس کے پیغام کو نشر کرتی رہے۔ اپنے پیغام پہنچانے کے لیے بعض انسانوں کا انتخاب صرف اسی وجہ سے کیا گیا ہے کہ انسان کے ذریعہ ہی انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ جن مقدس ہستیوں پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی وہ پوری انسانیت میں اگرچہ فہم و احساس کے اعتبار سے بھی افضل ہیں مگر اُن کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی براہِ راست نگرانی فرماتا ہے اور رسالت کے کام میں ہر قدم پر اُن کی رہنمائی کرتا ہے۔ چنانچہ جس قادرِ مطلق نے انہیں اپنا کلام انسانوں تک پہنچانے کے لیے دیا ہے اُسی ذاتِ برحق نے انہیں اس کلام کا صحیح فہم بھی عطا فرمایا ہے اور اس کے مختلف گوشوں کو اس کے سامنے بے نقاب کیا ہے۔ ایک نبی اور غیر نبی کے شعور و ادراک میں یہی بنیادی فرق ہے۔ پیغمبر جو کچھ حاصل کرتا ہے خدا سے حاصل کرتا ہے یا اس کے مشاہدات اور تجربات کی باری تعالیٰ کے دربار سے واضح طور پر تائید یا تصحیح ہو جاتی ہے اور پھر پیغمبر کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے کام کو پسند فرمایا ہے۔ پیغمبر کے علاوہ دوسرے جتنے انسان ہیں انہیں اپنے طرزِ عمل کے بارے میں کوئی ایسا یقینی علم حاصل نہیں ہوتا جس کی بنیاد پر وہ پورے وثوق سے یہ کہہ سکیں کہ اُسے اللہ کے ہاں بھی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے طرزِ عمل کی کس طرح خود نگرانی فرماتے ہیں اور کس طرح ہر قدم پر انہیں زندگی کے ہر معاملے میں ہدایت دیتے ہیں اس کی متعدد مثالیں قرآن مجید میں ملتی ہیں۔ ہم یہاں صرف دو مثالیں پیش کرتے ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نابینا صحابی آئے اور آپؐ نے مصالح کے تحت سردارانِ قریش سے اپنے آپ کو مصروف رکھا اور اُن کی طرف توجہ نہ دی تو باری تعالیٰ نے فوراً حضورؐ کے طرزِ عمل پر گرفت کی اور انہیں بتایا کہ ان کا رویہ خدا کو کھٹکا ہے۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ۔ (عبس)

تیوری چڑھائی اور منہ موڑا اس پر کہ آیا اس کے پاس نابینا اور تجھ کو کیا خبر کہ شاید وہ سنورتا اور پاک ہوتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی سلسلے میں مسجد ضرار کا واقعہ بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔ حضورؐ اس مسجد میں نماز ادا کرنے کے لیے تیار ہو گئے تھے کہ مندرجہ ذیل آیت کا نزول ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کام سے منع کر دیا گیا۔

لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ

تم ہرگز اس عمارت میں کھڑے نہ ہونا جو مسجد اول روز سے تقویٰ پر قائم کی گئی ہے وہی اس کے لیے زیادہ موزوں ہے کہ تم اس میں (عبادت کے لیے) کھڑے ہو۔

اسی نوعیت کے کئی ایک واقعات قرآن مجید میں موجود ہیں جو اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ نبی جو کام بھی کرتا ہے خدا کی ہدایت اور اُس کی واضح نگرانی میں کرتا ہے۔ کیا کسی غیر نبی کے طرز عمل کی بھی اس نہج پر نگرانی ہوتی ہے؟ اگر باری تعالیٰ ان چھوٹے چھوٹے امور میں اپنے پیغمبر کو ہدایت کرتا ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ رسالت کی نازک ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کا کام اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کے محض فہم و تدبر پر چھوڑ دیا ہو اور اُسے اس امر کا اختیار دیا ہو کہ وہ تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں حالات کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی عقل سے فیصلے کرتا رہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ نبی کو عقل و فہم سے معاذ اللہ محروم رکھا جاتا ہے بلکہ میری اس گزارش کا مطلب صرف یہ ہے کہ نبی کی عقل کی باری تعالیٰ خود حفاظت کرتا ہے اور اس بات کا اہتمام کرتا ہے کہ وہ جو فیصلے بھی کرے وہ خدا کی منشا کے عین مطابق ہوں اور نبی کو اس بات کا واضح طور پر شعور ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے فیصلوں پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کہا گیا ہے اور نبی کے ہاتھ پر بیعت کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت سے تعبیر کیا گیا ہے[۱]۔

اگر اس بنیادی حقیقت کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات خود بخود نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرائض بھی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیے ہیں اور آپؐ نے انہیں جس طرح سے سرانجام دیا ہے ان سب میں خدا کی رضا اور اس کی نگہداشت اور اس کی رہنمائی اول سے آخر تک اس انداز میں شامل رہی ہے کہ حضورؐ کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے سارے اقوال اور حضورؐ کی حیاتِ طیبہ کے سارے اعمال درحقیقت کلامِ الٰہی کی الہامی تفسیریں ہیں۔ اس بنا پر کسی فرد یا گروہ یا ادارے کو اس بات کا حق حاصل نہیں کہ وہ ان کے

[۱] إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ۔ (الفتح۔ ۱۰)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اندر کوئی تغیر و تبدل کرے۔ حضورؐ نے اپنے فرض کی ادائیگی میں جو کچھ کیا وہ سب خدا کی طرف سے کیا اور اس بنا پر حضور کے احکام کی پابندی ایک مسلمان کے لیے اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ احکامِ الٰہی کی پابندی۔ ہم تک تو کلامِ الٰہی اُسی مقدس ذات کے ذریعے سے پہنچا ہے اور اُسی کے بارے میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اس کی تشریح و توضیح کے لیے جو ارشاد فرمائے وہی خدا کی نظر میں سب سے زیادہ مستند اور صحیح ہے کیونکہ اس کی وضاحت کا کام بھی خداوند قدوس نے اس مقدس ہستی کے سپرد کیا ہے۔ اور یہ باری تعالیٰ کا انسانیت پر عظیم احسان ہے کہ اپنے کلام کی تشریح بھی اُس نے خود ہی اپنے نبی کے ذریعہ فرما دی۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ (آل عمران - ۱۷)

یقیناً احسان کیا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جبکہ بھیجا اُن میں ایک رسول انہی میں سے کہ تلاوت کرتا ہے اُن پر اُس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے اُن کو اور تعلیم دیتا ہے اُن کو کتاب وحکمت کی اور وہ اس سے پہلے واضح طور پر گمراہی میں مبتلا تھے۔

اس آیت سے بڑے واضح الفاظ میں اُن مقاصد کی نشاندہی ہوتی ہے جن کے لیے حضور سرورِ کائنات کو مبعوث فرمایا گیا۔ پہلی چیز یعنی تلاوتِ آیات کا مطلب تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی صورت میں جو کتاب اُن پر نازل فرمائی اس کی تلاوت کرنا۔ یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کام محض کتاب الٰہی کے مربوط و مرتب کلمات کو پڑھ کر سنانا ہی ہے تو پھر تعلیم کتاب کا ذکر کرنے کی آخر کیا ضرورت تھی۔ معمولی سمجھ بوجھ کا آدمی بھی اس حقیقت کو بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ یہاں تعلیمِ کتاب کا مطلب آیات کی تشریح اس کے معانی و مطالب کی وضاحت اور کتاب اللہ کے احکام کی صراحت ہے اور یہ سب کام فرائضِ رسالت میں اُسی طرح داخل ہیں جس طرح کہ قرآن مجید کے کلمات کی تلاوت و تبلیغ۔ اب اگر متنِ قرآن دین میں حجت ہے تو وہ وضاحت اور صراحت بھی دین میں حجت ماننا پڑتی ہے جو تعلیم کتاب کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کے رسول نے ارشاد فرمائی ہے کیونکہ حضور کو یہ فرض بھی تلاوتِ آیات کی طرح بطورِ رسول سونپا گیا ہے۔ یہ کام حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذاتی یا شخصی حیثیت سے نہیں کیا بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باری تعالیٰ کے حکم کے مطابق رسالت کے فرائض سرانجام دیتے ہوئے کیا ہے۔ یہ بات بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ حضورؐ نے قرآن کے جن الفاظ کو تلاوت فرمایا ہے وہ تو دین میں حجت ہوں مگر انہوں نے الفاظ کے جو معانی بیان فرمائے ہیں یا جو مطالب متعین کیے ہیں یا احکامِ الٰہی کی جن حکمتوں کا ذکر کیا ہے ان کی حیثیت محض تاریخی ریکارڈ کی ہو۔ قرآن مجید اس بات کی پُرزور تردید کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جس طرح تلاوت کے معاملے میں اتباع لازمی ہے بالکل اسی طرح تعلیم کتاب کے سلسلے میں بھی اُن کے ارشادات کی اطاعت اور فرمانبرداری بھی انتہائی ضروری ہے۔

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۔ (حشر - ۱)

جو تم کو رسول دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رُک جاؤ۔

قرآن مجید میں جا بجا اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت کو مستقل جملوں کی صورت میں ساتھ رکھا گیا ہے اس سے اس بات کا صاف پتہ چلتا ہے کہ اللہ کی اطاعت کی طرح اہلِ ایمان پر رسول کی اطاعت بھی مستقلاً فرض ہے کیونکہ اُن کے ذریعہ ہمیں دین کے معاملے میں جو کچھ ملا ہے وہی خدا کے نزدیک صحیح اور مستند ہے۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (النور - ۵۱)

مومنوں کا قول تو یہ ہوتا ہے کہ جب اللہ اور اُس کے رسول کی طرف انہیں بلایا جائے تاکہ رسول اُن کے درمیان حکم کرے تو کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ پس یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

اس آیت میں بھی دو مستقل تابعداریوں کا ذکر آیا ہے اور پھر لطف کی بات یہ ہے کہ حکم کا صیغہ واحد ہے جس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے احکام کی پابندی ہم پر فرض ہے مگر دنیا میں ان احکام کی توضیح اور ان کی تعیین کے لیے ہمیں حضور سرورِ کائنات کی طرف ہی رجوع کرنا ہوگا اور وہاں سے جو فیصلہ صادر ہوگا وہی ان احکام کا صحیح منشا قرار دیا جائے گا۔ پھر یہاں فعل مضارع استعمال کیا گیا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مستقل مُطاع ہونے پر صاف طور پر دلالت کرتا ہے۔

قرآن مجید کی ایک دوسری آیت حضور سرورِ دو عالم کی اس حیثیت کی پوری طرح تائید کرتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ۔

فرماں برداری کرو اللہ کی اور فرماں برداری کرو رسول کی اور اُن کی جو تم پر حکم کے مالک ہیں۔ پھر اگر تم میں کسی معاملے میں نزاع پیدا ہو جائے تو اُسے خدا اور رسول کے سامنے پیش کر دو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین اطاعتیں واجب فرمائی ہیں اور اُن کے درمیان جو بنیادی فرق ہے اُسے بھی بیان کر دیا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت تو مستقل طور پر واجب ہے اور اولوالامر کی اطاعت کو ان دو اطاعتوں کے تابع رکھا گیا ہے۔ اسی وجہ سے اولوالامر کی اطاعت کے ساتھ فعل حذف کیا گیا ہے۔ اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ رسول کی اطاعت اُن کی زندگی تک ہی محدود نہیں بلکہ قیامت تک یہ ہم پر اسی طرح فرض ہے جس طرح کہ خدا کی اطاعت۔ اولوالامر کی اطاعت ان دونوں اطاعتوں سے بنیادی طور پر مختلف ہے یہ مستقل نہیں بلکہ عارضی ہے اور یہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے تابع ہے۔ ہمارے اسلاف اس فرق سے کتنی اچھی طرح واقف تھے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضورؐ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کبھی بھی آپؐ کے کسی حکم کے بارے میں قرآن سے دلیل پیش کرنے کا مطالبہ نہیں کیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا وہ اپنے حکمرانوں اور ائمہ سے ہر کام میں قرآن و احادیث سے دلائل پیش کرنے کا مطالبہ کرتے رہے۔

© rasailojaraid.com